مولانا محمد رضوان القاسمی

احکام و مسائل عید الاضحیٰ

دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد

خوش معقد

نام کتاب : عید الاضحیٰ، احکام و مسائل

مؤلف : مولانا محمد رضوانؒ القاسمی

ناشر : دار العلوم سبیل السّلام، حیدر آباد

سالِ اشاعت : ذو قعدہ ۱۴۱۱ھ مطابق مئی ۱۹۹۱ء

تعدادِ اشاعت : دو ہزار

کتابت : محمد عرفان عالم

قیمت : چھ روپے (۶/-)

نوٹ : زیرِ نظر رسالہ سرتاج ٹیلرس تلک روڈ، عابڈس، حیدر آباد اور لنک انٹرنیشنل ٹراویل ایجنٹس، دیوان ڈیوڑھی، حیدر آباد کے مالی تعاون سے شائع ہوا ہے، اِن دونوں تجارتی اداروں کی جانب سے اہلِ ضرورت اور دین دوست و علم نواز حضرات کی خدمت میں بلا قیمت بطورِ ہدیہ پیش ہے، ـــــــــ دار العلوم سبیل السّلام کا شعبۂ نشر و اشاعت ان دونوں تجارتی اداروں کا شکر گذار ہے۔

فہرست عنوانات

بڑی قربانی

قرآنِ کریم سورۂ صٰفّٰت آیت ۹۹ تا ۱۱۱

ابراہیمؑ نے کہا :

"میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں

وہی میری رہنمائی کرے گا

اے میرے پروردگار، مجھے ایک بیٹا عطا کر جو صالحین میں سے ہو"

تو ہم نے اس کو ایک حلیم (بردبار) لڑکے کی بشارت دی۔

وہ لڑکا جب اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا

تو ایک روز ابراہیمؑ نے اس سے کہا

"بیٹا! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں،

اب تو بتا تیرا خیال کیا ہے؟"

اس نے کہا، ابا جان! جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالئے،

آپ انشاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے "
آخر کو جب ان دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا،
اور ابراہیمؑ نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرا دیا اور ہم نے ندا دی کہ
اے ابراہیمؑ! تو نے خواب سچ کر دکھایا
ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں
یقیناً یہ کھلی آزمائش تھی
اور ہم نے ایک "بڑی قربانی" فدیہ میں دے کر
اس بچہ کو چھڑا لیا
اور اس کی تعریف و توصیف ہمیشہ کے لئے
بعد کی نسلوں میں چھوڑ دی
سلام ہے ابراہیمؑ پر
ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں
یقیناً وہ ہمارے مؤمن بندوں میں تھا"

عرضِ مؤلّفؒ

ہم میں سے ہر ایک جانتا ہے کہ اسلامی سال کا پہلا مہینہ محرم ہے اور آخری ذوالحجہ ـــــــ اس طرح اگرچہ ذوالحجہ کا مہینہ پورے گیارہ ماہ کے بعد آتا ہے لیکن چونکہ اس کے بعد ہی محرم کا آغاز ہوتا ہے اس لحاظ سے یہ دونوں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور یکے بعد دیگرے آتے ہیں گویا ایک کا اختتام دوسرے کا آغاز ہے۔

اگر تاریخی اعتبار سے غور کیا جائے تو اسلامی سال کے اس آغاز و اختتام میں خاص قسم کی مناسبت ہے اور اس مناسبت سے مسلمانوں کا "فلسفۂ موت و حیات" آشکارا ہوتا ہے۔

ذوالحجہ کا مہینہ اگر حضرت ابراہیمؑ کی توحید اور حضرت اسمٰعیلؑ کی آرزوئے شہادت کا نقشہ پیش کرتا ہے تو محرم کا مہینہ حضرت حسینؓ کی واقعی شہادت کو نگاہوں کے سامنے لے آتا ہے۔ ذوالحجہ میں حضرت اسمٰعیلؑ تشریف لاتے ہیں اور اپنی گردن کو چھری کے نیچے رکھ کر بتاتے ہیں کہ مسلمانوں کو اس طرح زندہ رہنا چاہیئے پھر محرم میں حضرت حسینؓ آتے ہیں اور تیغ و شمشیر کے نیچے اپنی گردن کٹا کر درس دیتے ہیں کہ ایک مسلمان کو اس طرح مرنا چاہیئے۔ ان دو بزرگوں کی حیات طیبہ میں اسلامی زندگی اور اسلامی موت کا بلند معیار ملتا ہے جس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ مسلمان کو حق اور خدا کی خوشنودی ہی کی خاطر مرنا اور جینا چاہیئے اور اس کی زندگی کا مآل "شہید" یا "غازی" کے سوا کچھ نہیں، بقولِ اقبالؔ ؎

رہِ جہاد میں ذکرِ شکست کیا معنی ؛ مآلِ مردِ مجاہد، شہید یا غازی

ذوالحجہ اور محرم کے ان دو طرفہ جلوؤں پر حکیم شاعر اسلام ڈاکٹر محمد اقبالؒ کی نظر بھی خوب گئی، وہ اپنے مؤثر اور بلیغ انداز میں فرماتے ہیں ؎

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم ∴ نہایت اس کی حسینؓ، ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

زیر نظر رسالہ کا تعلق ماہِ ذوالحجہ میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ والی قربانی سے ہے جو ان دونوں کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو اور موعظت و نصیحت سے لبریز عظیم الشان واقعہ ہے، اس رسالہ میں قربانی کے واقعہ کی جزئیات اور تفصیلات پیش نہیں کی گئیں اور نہ ہی ان دونوں بزرگوں کی حیات اور کارناموں پر مکمل طور پر روشنی ڈالی گئی ہے البتہ اس رسالہ میں عیدالاضحیٰ اور قربانی سے متعلق ایسے تمام احکام و مسائل کو ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن کی عام طور پر ضرورت پیش آتی ہے اور اس سلسلہ میں بڑی اور اونچی کتابوں تک پہنچنا ہر ایک کیلئے آسان نہیں ہوتا، اس کے ساتھ آخر میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت ہاجرہؓ کی زندگی کا سرسری خاکہ بھی پیش کر دیا گیا ہے کیونکہ حج اور قربانی کی عبادت ان ہی تین مقدس ہستیوں کے اعمال سے عبارت ہے۔ بعض لوگ جو حکم قربانی کے سلسلہ میں مریضانہ ذہن و فکر رکھتے ہیں ان کی شفا کیلئے قرآن و حدیث، آثارِ صحابہ اور اجماعِ امّت سے دلائل بھی پیش کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو شرفِ قبول عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد رضوان القاسمی

ناظم دار العلوم سبیل السلام

وامام و خطیب مسجد عامرہ عابد روڈ، حیدرآباد

۸ ذوقعدہ ۱۴۱۱ھ

قربانی کا ثبوت

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی اس عظیم قربانی کا حکم شریعتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام) میں زکوٰۃ وغیرہ کی طرح ۲ھ میں دیا گیا[۱] اس کے مشروع اور مطلوب ہونے پر امت کا اجماع ہے[۲] مسائل کی تفصیلات اور جزئیات میں فقہاء کے درمیان اختلاف ضرور ہے لیکن اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ———— موجودہ دَور میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے کہ اسے "غیر شرعی" عمل سمجھتا ہے اور ان کے نزدیک اسلام میں اس کا ثبوت نہیں، پھر ان کے نزدیک کسی عمل کو شرعی ثابت کرنے کیلئے ضروری ہے کہ قرآن مجید میں اس کا ذکر موجود ہو، احادیث ان کے نزدیک قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔

اولاً تو اس اعتراض کی بنیاد ہی "اِنکارِ حدیث" ہے اور یہ بجائے خود غلط ہے، قرآن مجید کی تصریحات بتاتی ہیں کہ قرآن ایک متن ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال اور ارشادات شرح کا درجہ رکھتے ہیں۔ رسولؐ ہی کی اطاعت میں اللہ کی اطاعت مضمر ہے۔ اسلام اور شریعت کی یہ ایسی بنیاد ہے کہ اگر اسے منہدم کر دیا جائے تو شریعت ایک مذاق بن کر رہ جائے گی۔

---

[۱] شیخ عبدالرحمٰن الجزیری: کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۷۱۵۔
[۲] عبدالوہاب شعرانی: المیزان الکبریٰ ۲/۵۸۔

قرآنی شواہد: دوسرے قرآن مجید کی متعدد آیات میں قربانی کا ذکر موجود ہے، چنانچہ فرمایا گیا: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (الکوثر-۲)

اکثر مفسرین اور مشہور مفسّرِ قرآن امام مجاہد امام قتادہ نے یہاں قربانی کا معنی مُراد لیا ہے[۱]۔ یہاں نحر سے قربانی کا معنی مراد لینے کے لئے مختلف قرائن موجود ہیں۔ اول یہ کہ عربی زبان میں نحر کا معنی ہی اونٹ ذبح کرنے کے ہیں۔ چنانچہ امام ابوبکر حصاص رازی نے اس مفہوم کو ترجیح دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک عرب لفظ "نحر" سُن کر اس کے سوا اور کوئی مفہوم سمجھ ہی نہیں سکتا[۲]، دوسرے یہ کہ قرآن نے اکثر مقامات پر نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر کیا ہے، قربانی بھی چوں کہ زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ ہی کی ایک نوعیت ہے اس لئے اندازہ ہے کہ یہاں "وَانْحَرْ" سے قربانی کا حکم دیا جا رہا ہے۔

تیسرے اس کی تائید ابن جریر اور ابن مَردویہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو سعید ابن جُبیر سے مروی ہے کہ یہ آیت حدیبیہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا، دو رکعت نماز پڑھی اور اونٹ کی قربانی کی، یہی اکثر مفسّرین کی رائے ہے[۳]۔

اس سلسلہ کی دوسری آیت یہ ہے: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (کہہ دیجئے کہ میری نماز اور قربانی، زندگی اور

---

[۱] تفسیر مظہری ۱۰/۲۵۳۔

[۲] احکام القرآن ۲/۵۸۵۔

[۳] روح المعانی ۲/۲۷۶۔

موت سبھی اللہ کے لئے ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے (الانعام: ۱۶۳)

یہاں "نسک" سے گو کہ بعض حضرات نے مطلقاً عبادت اور بعض نے خاص طور پر حج وعمرہ کا ذبیحہ اور بعض نے حج مراد لیا ہے لیکن اس آیت کا مکی ہونا اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ اس سے حج یا ذبیحۂ حج مراد نہیں کہ اسکی فرضیت تو مدنی زندگی کے اواخر میں ہوئی ہے اور اس سے مطلقاً عبادت کے معنی مراد لینا بھی قابلِ غور ہے، اس لئے کہ اگر اس کے معنی مطلقاً عبادت کے ہوتے تو نماز کے علاحدہ ذکر کی چنداں ضرورت نہیں تھی، اس لئے یہ بات ماننی پڑے گی کہ یہاں نسک کے معنی بقرعید والی قربانی کے ہیں اور یہی مشہور مفسّر قتادہ کی رائے ہے اور اس لئے بھی کہ قرآن مجید میں متعدد دوسرے مواقع پر یہ لفظ قربانی ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ۔

(تم میں سے جو بیمار ہے یا اس کے سر میں تکلیف ہے تو روزہ یا صدقہ یا قربانی کی صورت میں فدیہ ادا کرے) (البقرہ: ۱۹۶)

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ (الحج - ۳۴)

(ہم نے ہر امت کیلئے قربانی مشروع کی تاکہ وہ اللہ کے عطا کئے ہوئے چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں۔)

بلکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کا نہ صرف یہ کہ اس امت کے لئے حکم دیا گیا ہے بلکہ پہلی امتوں پر بھی اللہ تعالیٰ نے قربانی واجب قرار دی تھی۔

قرآن مجید سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی راہ میں دی جانے والی قربانی شعائرِ اور دین کے مظاہر اور علامت کی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (الحج ۳۶) (اور قربانی کے جانوروں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ (کے دین) کا شعار بنا دیا ہے)

اور خود قرآن مجید ہی نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے کہ اس کو "اسلامی شعائر" جو گویا مسلمان ہونے کی علامت ہوتی ہے، کیوں قرار دیا گیا؟ شاید اس لئے کہ ایامِ جاہلیت میں کفارِ مکہ اپنے معبودانِ باطل کے لئے قربانی کیا کرتے تھے[1] ان کی اس مشرکانہ رسم کا رُخ پھیرنے اور کافرانہ اور مومنانہ زندگی کے درمیان ایک واضح حد قرار دینے کے لئے اس سے بہتر اور مناسب حال بات کیا ہو سکتی تھی کہ اس کو ایک عبادت اور توحید کے اظہار کا ذریعہ بنا دیا جائے، پھر شعائرِ خداوندی کی اسلام میں کیا کچھ اہمیت ہے اسے خود قرآن کی زبان میں سنئے:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۔ (الحج ۳۲)

(اللہ تعالیٰ کے شعائر کا احترام دلوں کے تقویٰ میں سے ہے)

اسی بنا پر فقہاء نے قربانی کو شعائرِ اسلامی میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ تمام عبادتیں جو علی الاعلان اور شہرت کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں جیسے اذان، جمعہ، جماعت، نمازِ عید اور قربانی وہ شعائرِ اسلام میں داخل ہوں گی[2]۔

---

[1] الانعام ۱۶۔

[2] ردالمحتار ۱/۱۷۔

تواتر: قرآن مجید کے ان احکام کے علاوہ امت میں ہر زمانہ اور ہر عہد میں قربانی کا رواج اور اہتمام رہا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر آج تک ہمیشہ اس پر عمل کیا گیا ہے۔ یہ "عملی تواتر" کسی حکم کو قریب قریب اتنی ہی قوت اور قطعیت کے ساتھ ثابت کرتا ہے جتنا کہ قرآن مجید، بلکہ قرآن مجید بھی ہم تک اسی "یقینی ذریعہ" سے پہونچا ہے۔

اَب اگر کوئی شخص قربانی کی مشروعیت سے انکار کر جائے تو وہ گویا اس مضبوط اور بنیادی ذریعۂ علم کو بھی کمزور اور ناقابلِ اعتبار قرار دے رہا ہے جس پر قرآن کے کتابِ خداوندی ہونے اور اس کو ہر شک وشبہ سے بالاتر ماننے کا مدار ہے، دوسرے یہ گویا اس بات کا دعویٰ ہے کہ خود حاملِ قرآن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر ۱۲ صدیوں تک پوری امت مسلسل ایک گمراہی میں مبتلا رہی اور قرآن کو سمجھنے میں دھوکا کھاتی رہی۔ اَب جا کر کچھ لوگ پیدا ہوئے جن کو قرآن کا صحیح فہم نصیب ہوا ہے اور وہ امت کی اس مسلسل غلط فہمی کا پردہ چاک کر رہے ہیں جو اَب تک قربانی کو ایک شرعی کام سمجھتی آرہی تھی ——— خدارا بتائیے اگر دین کے کسی ایک مسئلہ کے بارے میں بھی اس ذہن وفکر کو تسلیم کر لیا جائے تو دین کا کونسا شعبہ باقی رہے گا جس کو نشانۂ ملامت بنانے کی گنجائش باقی نہ رہے گی۔

احادیث: جہاں تک احادیث کی بات ہے تو خود صحاح ستہ، بخاری مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی اور موطا امام مالک میں کتابُ الاضاحی اٹھا کر دیکھ لیا جائے تو تقریباً ایک درجن صریح اور دوٹوک

روایتیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یا آپؐ کے عمل سے متعلق مروی ہیں اور وہ اپنی سند کے اعتبار سے محدثین کے یہاں (جو احادیث کی پرکھ اور اس کے سلسلۂ روایت کے ایک ایک فرد کے حالات کی تحقیق اور اُدھیڑ بُن میں اس قدر تلاش و جستجو اور احتیاط سے کام لیتے ہیں جس کی کوئی مثال نہیں پیش کی جاسکتی) نہایت قوی اور قابلِ اعتماد شمار کی گئی۔

عقل کی کسوٹی پر:- قربانی کے سلسلہ میں بعض اعتراضات عقل و درایت کے رُخ سے بھی اُٹھائے جاتے ہیں۔

چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اس کے ذریعہ قوم کی ایک خطیر رقم محض یونہی ضائع ہو جاتی ہے حالانکہ اس کو ملت کی معاشی فلاح و بہبود، دین کی اشاعت و توسیع کے اہم منصوبوں اور مفید اداروں پر خرچ کر کے ایک بڑا اور اہم کام انجام دیا جاسکتا ہے۔ نیز یہ کہ کیا مضائقہ ہے اگر خصوصی حالات، مسلمانوں پر آنے والی وقتی افتادیں، فسادات اور اس طرح کے دوسرے رفاہی کاموں میں قربانی کی رقم خرچ کر دی جائے یا اس کا بجٹ کم کر کے وہ ضرورتیں پوری کی جائیں۔

یہ اور اس طرح کی باتیں اس لئے کہی جاتی ہیں کہ قربانی کا مقصد اُن کے یہاں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ کچھ جانوروں کی گردن پر چھری پھیر کر خود سیر ہو کر کھایا جائے۔ کچھ قرابت داروں کو کھلایا جائے اور چند دن رنگ رلیوں کے سائے میں بسر ہو جائیں، حالانکہ اگر اس مقصود پر نگاہ ہو جو شریعت اس کے ذریعہ پیدا کرنا چاہتی ہے تو یہ سارے فائدے اس کے آگے

کمتر محسوس ہوں گے۔ قرآن اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

کہہ دیجئے، میری نماز اور قربانی، زندگی اور موت اللہ کے لئے ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔ (الانعام: ۱۶۳)

یعنی قربانی کا مقصد اپنے عقیدۂ توحید، خود حوالگی اور خدا کی راہ میں سپردگی کا ایک اظہار اور علامت ہے، اسی لئے قرآن مجید نے اس کو شعار قرار دیا ہے، اب اگر کوئی شخص مسلمانوں سے اس قسم کا مطالبہ کرنے لگے تو یہ بالکل ایسی ہی بات ہوگی کہ جیسے ہندوستان کے قومی دن پر ہم سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ قوم ابھی ننگی ہے اور وطن کے سینکڑوں فرزند دو گز کپڑے کو ترس رہے ہیں، لہذا خدارا" جھنڈوں میں اپنے کپڑے ضائع نہ کرو، بلکہ اس سے اپنے ابنائے وطن کی ستر پوشی کا ایک منصوبہ بناؤ اور کپڑے یہاں لاکر جمع کردو"

کیا ہندوستان یا دنیا کی کوئی حکومت اس استدلال کو معقول تسلیم کرلے گی؟ —— نہیں، اس لئے کہ اس کی حیثیت ہمارے قومی وقار اور اپنے ہندوستانی ہونے کی علامت اور شعار کی ہے، یہی حال شریعت میں قربانی کا ہے۔

دوسرے اس کا مقصود تقویٰ، اخلاص، للّٰہیت اور خدا کی راہ میں ایثار و وفاداری کی تربیت ہے، جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کا ارشاد ہے:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاءُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔ (الحج ۳۷)

اللہ کو جانوروں کے گوشت و خون نہیں پہنچتے، لیکن تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

یہ مقصد اور کیفیت اسی وقت حاصل ہوگی اور یہ احساس اسی وقت اُجاگر ہوگا جب پوری قوم چند مخصوص دنوں میں ایک خاص تاریخی واقعہ کو اپنے ذہن میں رکھ کر اپنی متاعِ عزیز سے خریدے ہوئے بہتر جانور پر چھُری پھیرتے ہوئے کہے گی کہ "بارالٰہا! اس کی قربانی کو تو اسی طرح قبول فرما جس طرح اپنے بندہ ابراہیمؑ سے قبول کی تھی" ــــــــ مختلف معاشی منصوبوں اور فلاحی یا دعوتی پروگراموں پر خرچ ہونے والی رقم بلاشبہ ایک کارِ خیر ہی میں استعمال ہوگی مگر قربانی کی یہ خاص کیفیت، نفس کی جو تربیت کرتی ہے، وہ اس کے ذریعہ ممکن نہیں ہے۔

اور اگر اس قسم کے منصوبوں کے نام پر دین کے کسی شعبہ کو آپ ساقط کرتے رہیں یا اس کی اہمیت کو گھٹاتے رہیں تب تو پورے دین کا خدا ہی حافظ ہے۔ پھر ایسی مصلحت اندیشیوں اور اجتہادات کا ایک سلسلہ چل پڑے گا، پھر ایک شخص کہے گا، نماز پر جو اتنا سارا وقت ضائع ہوتا ہے اس کا کیا حاصل؟ کیوں نہ اس وقت میں مزید پیسے کماکر اس کے ذریعہ ایک قومی منصوبہ کی تشکیل کی جائے اور ان کے لئے روزگار فراہم کیا جائے، پھر کوئی کہے گا ایسا کیوں نہ ہو کہ "حج" کا سلسلہ منقطع کرکے اس کے ذریعہ اسلام کی اشاعت و دعوت کا کام کیا جائے۔ اَب بتائیے کہ قربانی کے مسئلہ میں اسی اصول کو تسلیم کرلینے کے بعد آخر ان معقول تجاویز کو رد کردینے کا کیا جواز باقی رہ جائے گا؟ اور آخر کیا ضرور ہے کہ قوم و ملّت کے کسی کام کیلئے آپ "حقوق اللہ" پر ہی نظرِ اصلاح فرمائیں اور دیکھیں کہ ان میں کیا کیا چیزیں ختم کی جاسکتی ہیں اور اس کے بجائے آپ قوم سے ان کے

بے جا مصارف اور زندگی کے دوسرے مدّات کا خانہ کم کر کے ان مقاصد پر خرچ کرنے کی ترغیب نہ دیں؟ ۔

اسلام کی "فردِ جرم" میں ایک یہ بھی ہے کہ اس نے گوشت خوری اور زندہ جَانوروں کو ذبح کرنے کی اجازت دے دی ہے، جو ظلم ہے ۔ یہ اعتراض اَب اتنا فرسودہ اور دور از کار ہو چکا ہے اور موجودہ اکتشافات اور تحقیقات نے اس کو اتنا بے وزن کر دیا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ اَب اس کا جواب دینے کی بھی ضرورت نہیں تھی، اَب تو یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ پانی کا ہر گھونٹ جو ہم پیتے ہیں اور ہوا کی ہر مقدار جس سے ہم سَانس لیتے ہیں، اپنے سَاتھ بیشمار زندہ جرثومے لے کر جسم میں داخل ہوتی ہے اور ان میں بیشتر جرثومے ہیں جو وہاں پہنچ کر مر جاتے ہیں، اَب اگر کوئی شخص واقعی "جیو ہتیا" یعنی زندہ وجود کو ہلاک کرنے سے بچتا .. رہتا ہے تو اس کے لئے خود کو زندہ رکھنے، پانی پینے، اور سانس لینے کا کوئی جواز نہیں ہے ——— پھر فطرت کا قانون ہی یہی ہے کہ اس نے ہر برتر مخلوق کے لئے "کمتر مخلوق" کو غذا بنا دیا ہے، یہ معمولی حشرات الارض سے لے کر مچھلیوں اور چوپایوں تک میں دیکھا جا سکتا ہے. انسان بھی اسی صف میں ہے، اس کی بہت سی ضروریات، دواؤں اور غذاؤں وغیرہ کے لئے کسی ذی روح کی جَان لینا گویا ناگزیر ہے ——— اور اگر تھوڑی دیر کے لئے آپ گوشت خوری چھوڑ دیں تو کیا آپ دانہ سے بھی منہ موڑ لیں گے ۔ اور چاول اور گیہوں، دال اور سبزیوں کے بغیر بھی زندہ رہ لیں گے؟ اس لئے کہ اَب تو یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ "نباتات" میں بھی ایک

درجہ کا احساس وشعور اور زندگی موجود ہے۔

قربانی ——— ایک مستقل عبادت :

قربانی کے تین دنوں میں جانوروں کی قیمت صدقہ کر دینے سے یہ واجب ادا نہ ہوگا۔ ہمیشہ گنہگار رہے گا، کیوں کہ قربانی ایک مستقل عبادت ہے، جیسے نماز پڑھنے سے روزہ اور روزہ رکھنے سے نماز ادا نہیں ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور تعامل اور پھر تعامل صحابہ رضؓ اس پر شاہد ہیں (جواہر الفقہ جلد اول صفحہ ۴۴۸)

قربانی کی تاثیر :

ایک بات یہاں یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نیک عمل میں کچھ دنیوی تاثیر بھی رکھی ہے، اگر قربانی اخلاص سے کی جائے اور اس میں ابراہیمی اور اسمٰعیلی جذبات کارفرما ہیں تو اس میں معاندوں اور مخالفوں کی "مدافعت" کی تاثیر ہے۔ اس کی برکت سے دشمن تباہ وبرباد اور بے نام ونشان ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں قربانی کرنیوالے کو خدا کی طرف سے فتح ونصرت ملتی ہے، وہ بڑھتا اور ترقی کرتا ہے۔ اس کا نام اونچا اور روشن ہوتا ہے۔

قربانی کا یہ فلسفہ سورۂ کوثر کی تلاوت اور اس کے نزول کے پسِ منظر کو سامنے رکھنے سے آپ پر واضح ہوگا، جس میں فرمایا گیا ہے کہ "اے نبیؐ! ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کی ہے، سو آپ اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے، یقیناً بے نام ونشان (ہوکر) تو آپ کا دشمن ہی رہے گا۔" (الکوثر ۱ تا ۳)

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپؐ کے دشمن تو بے نام ونشان ہو گئے اور آپؐ کا

نام چمکا، خوب چمکا اور چمکتا ہی رہے گا، مسجد کے بلند میناروں سے پانچ وقت خدا کے نام کے ساتھ آپؐ کا نام بھی بلند ہوتا ہی رہے گا۔

اَب آیئے! اس کے بعد ہم عید الاضحیٰ اور قربانی کے فقہی احکام اور ضروری مسائل معلوم کریں۔

یومِ عرفہ

ماہِ ذی الحجہ کی خصوصی عبادتوں کا سلسلہ نویں تاریخ سے شروع ہو جاتا ہے۔ یہ تاریخ "یومِ عرفہ" سے مشہور ہے، جس میں روزہ رکھنا مسنون ہے، اس روزہ کی حدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ اس ماہ میں ۱۰، ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ کے روزے حرام ہیں۔

تکبیرِ تشریق: ۹ ذی الحجہ کی نماز فجر سے ۱۳ ذی الحجہ کی نماز عصر تک ہر فرض نماز کے فوراً بعد بلند آواز سے ایک بار تکبیرِ تشریق کہنا واجب ہے۔ تکبیر کے الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

- اگر امام تکبیرِ تشریق بھول جائے تو مقتدیوں کو چاہیے کہ فوراً تکبیر شروع کر دیں تاکہ امام کو بھی یاد آ جائے۔
- نمازِ عید کے بعد تشریق کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

- مسافر اور انفرادی فرض نماز پڑھنے والے کو بھی تشریق کہنی چاہیئے۔
- خواتین آہستہ اور دھیمی آواز سے تکبیر کہیں۔
- مردوں کو متوسط آواز میں تکبیر کہنی چاہیئے کہ آواز بالکل دھیمی اور آہستہ نہ ہو۔

عیدین کی رات: رات خواہ عید الفطر کی ہو یا عید الاضحیٰ کی، یہ دونوں راتیں اپنی جگہ بڑی اہمیت کی حامل ہیں، حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"جو شخص ثواب کی نیت سے عیدین کی رات کو جاگے اور عبادت میں مشغول رہے اس کا دِل اس دن نہیں مرے گا جس دن سب کے دل مر جائیں گے"

(یعنی فتنہ وفساد یا پریشانی کے وقت جب لوگوں کے قلوب پر مردنی چھا جائے گی، اس کا دل زندہ رہے گا)

مگر افسوس! عام طور پر یہ دونوں راتیں بھی سونے، یونہی جاگنے، فضول باتیں کرنے یا خرید و فروخت میں گنوا دی جاتی ہیں جو بڑی حرمان نصیبی ہے۔ ضرورت ہے کہ ان راتوں کے شرف و کرامت سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔

مسنوناتِ عید: (۱) صبح سویرے اُٹھنا (۲) غسل کرنا (۳) مسواک کرنا (۴) حسبِ توفیق اچھے لباس زیب تن کرنا۔ (۵) خوشبو لگانا (۶) عید گاہ جانے سے قبل کچھ نہ کھانا (اگر قربانی کرے تو اسی گوشت سے کھانے کی ابتدا کرے) (۷) عید گاہ جانے میں جلدی کرنا۔

(۸) عیدگاہ جاتے ہوئے بآواز بلند تکبیر کہنا اور عیدگاہ پہنچ کر تکبیر ختم کرنا۔ (تکبیر کے الفاظ اُوپر آچکے ہیں) (۹) پا پیادہ جانا (بصورت دُوری و مجبوری سواری پر جاسکتے ہیں) (۱۰) ایک راستہ سے جانا دوسرے سے واپس آنا۔

مستحباتِ عید:

(۱) خوشی و مسرت کا اظہار کرنا مگر شریعت کی حُدود میں رہ کر (۲) حسبِ استطاعت خیرات میں کثرت کرنا۔ (۳) جو شخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ ہلالِ عیدالاضحیٰ سے قربانی دینے تک بدن کے کسی حصہ کے بال نہ نکالے اور نہ ناخن کتروائے جس شخص پر قربانی واجب نہیں ہے وہ بھی اگر ایسا کرے تو افضل ہے۔

نماز و خطبہ:

بقرعید کی نماز بھی عیدالفطر کی نماز کی طرح واجب ہے اور ترکیب اس نماز کی وہی ہے جو نماز عیدالفطر کی ہے، یعنی تکبیرِ اولیٰ اور ثناء کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے تین بار رفعِ یدین کریں (یعنی کانوں تک ہاتھ اٹھائیں) پہلی دو تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں، تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ کر امام سورۂ فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھے۔ مقتدی خاموش رہیں، دوسری رکعت میں بعد فاتحہ و سورۃ رفع یدین کے ساتھ تین بار تکبیر کہیں، اور ہر بار ہاتھ اٹھا کر چھوڑتے جائیں اور چوتھی تکبیر پر بغیر ہاتھ اُٹھائے رکوع کریں۔ بعد نماز خطبہ کا سننا واجب ہے، اگر آواز نہ پہنچے تب بھی خاموشی کے ساتھ بیٹھے رہنا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں عام طور پر غفلت برتی جاتی

ہے، جس کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے۔

قربانی کی فضیلت و تاکید:

نمازِ عید کے بعد دوسری عبادت قربانی ہے۔ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی فضیلت اور بے بہا اجر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"قربانی کے دنوں میں قربانی سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو محبوب نہیں اور قربانی کا جانور قیامت کے روز اپنے سینگوں بالوں اور کھروں سمیت حاضر ہوگا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے نہیں پاتا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہو جاتا ہے لہٰذا قربانی دل کی خوشی اور پوری آمادگی سے کیا کرو۔"

(ترمذی)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: یارسول اللہ! یہ قربانی کیا چیز ہے؟

ارشاد فرمایا: "یہ تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی سنت ہے۔"

صحابہؓ نے عرض کیا: "یارسول اللہ! اس میں ہمارے لئے کیا اجر و ثواب ہے"

ارشاد فرمایا: "ہر ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملے گی۔" (ابن ماجہ)

اس کے ساتھ حدیث میں یہ وعید بھی آئی ہے کہ: "جو شخص وسعت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔"

(جمع الفوائد)

○ حضورؐ کو اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ ہجرت کے بعد دس سال مدینہ منورہ میں، قیام فرمایا اور ہر سال قربانی کرتے رہے۔

جن پر قربانی واجب ہے:

○ ہر مسلمان (مرد و عورت) آزاد، مقیم جو ضروریاتِ زندگی کے علاوہ مقدارِ نصاب یعنی ۷½ تولہ (تقریباً ۸۷½ گرام) سونا یا ۵۲½ تولہ (تقریباً ۶۱۲½ گرام) چاندی یا اس کی قیمت کا دسویں ذی الحجہ کی صبح کو مالک ہو، اس پر قربانی کرنا واجب ہے۔

○ مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے۔

○ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں بالغ اور عاقل ہونا ضروری نہیں، اگر نابالغ بچہ یا پاگل اتنی جائداد کا مالک ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہو جایا کرتی ہے تو اس پر بھی قربانی واجب ہو گی اور اس کا باپ یا جو اس کا ولی ہو، اس کی طرف سے قربانی کرے گا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق مستحب ہے اور اس قول کو اکثر فقہاء نے قابلِ ترجیح قرار دیا ہے (البتہ ایسے افراد کی طرف سے صدقۂ فطر واجب قرار دیا گیا ہے)۔

قربانی کے جانور:

○ قربانی کے جانوروں میں سے اونٹ پانچ سال سے کم نہ ہو، بیل، بھینس، گائے دو سال سے کم نہ ہوں اور بھیڑ، بکرے، دُنبے ایک سال سے کم نہ ہوں۔

○ صرف دنبہ چھ ماہ سے زائد کا ہو اور موٹا اتنا ہو کہ ایک سال کا نظر آرہا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔

- اگر عید کے دن جانور پیدا ہوا ہو تو جانور کے لحاظ سے (پانچ سال یا دو سال یا ایک سال) عید کے دن مدت پوری ہو جائے گی، دوسرے یا تیسرے دن قربانی کر سکتے ہیں، اگر احتیاطاً اس کو چھوڑ کر دوسرا ابجرا تجویز کر لیا جائے تو بہتر ہے۔
- اگر جانوروں کو فروخت کرنے والا پوری عمر بتائے اور ظاہری حالات سے بھی اس کی تکذیب نہیں ہوتی ہو تو اس کی اطلاع پر اعتماد کر لینا کافی ہو گا۔
- قربانی کے جانور کو صحیح، تندرست اور فربہ ہونا چاہیئے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

  "قربانی کے جانوروں کو کھِلا پلا کر خوب قوی کیا کرو، کیوں کہ پُل صراط پر وہ تمہاری سواری ہوں گے۔"
- اگر جانور ایسا مریل اور دُبلا کمزور ہو کہ اس کی ہڈیوں میں گودا ہی نہ رہ گیا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔

○ ایسا جانور جو اندھا ہو یا کانا یا لنگڑا ہو جو مذبح تک نہ جا سکتا ہو یا جس کا کوئی عضو (مثلاً کان یا دُم) تہائی سے زیادہ کٹا ہوا ہو، اِن سب کی قربانی جائز نہیں۔

○ جس جانور کے سینگ پیدائشی طور پر نکلے ہی نہ ہوں یا نکلے ہوں مگر کچھ حصہ ٹوٹ گیا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے، البتہ جس جانور کے سینگ بالکل جڑ سے ہی ٹوٹ گئے ہوں تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

- جس جانور کے پیدائشی طور پر کان نہیں ہیں یا ہیں تو بہت ہی چھوٹے

ہیں، اس کی قربانی درست ہے۔

○ جس جانور کے دانت بالکل ہی نہ ہوں اسکی قربانی درست نہیں اور اگر چند دانت گرے ہوں باقی زیادہ دانت موجود ہوں تو اس کی قربانی درست ہے۔

○ گائے اور بکری اگر حاملہ ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے اگر بچہ زندہ ہی برآمد ہو تو اسے بھی ذبح کر لینا چاہیئے۔ لیکن اگر پہلے سے یہ معلوم ہو کہ یہ جانور حاملہ ہے تو اس کی قربانی نہیں کرنی چاہیئے۔

○ دنبہ، بکرا، بکری، بھیڑ کی قربانی صرف ایک آدمی کی طرف سے ہو سکتی ہے ایک سے زائد کئی آدمی اس میں حصہ دار نہیں ہو سکتے۔

○ بیل، گائے، بھینس اور اونٹ میں سات حصے ہو سکتے ہیں، سات سے زائد نہیں، مگر اس کے لئے دو شرطیں ہیں۔

○ پہلی یہ کہ ہر حصہ دار کی نیت قربانی یا عقیقے کی ہو۔ محض گوشت حاصل کرنے کی نیت نہ ہو (اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قربانی کے جانور میں عقیقہ کی نیت سے شریک ہوا جا سکتا ہے)

○ دوسری یہ کہ ہر حصہ دار کا حصہ ٹھیک ۱/۷ ہو، اس سے کم کا حصہ دار نہ ہو۔ ان دونوں شرطوں میں سے کوئی شرط بھی پوری نہ ہو تو کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔

○ گائے، بھینس اور اونٹ میں سات افراد سے کم بھی شریک ہو سکتے ہیں، مثلاً کوئی دو، چار یا کم و بیش حصہ لے، مگر اس میں بھی یہ شرط ضروری ہے کہ کوئی بھی حصہ دار ساتویں حصے سے کم کا شریک نہ ہو، ورنہ کسی کی

قربانی درست نہ ہو گی۔

○ ایک شخص نے مثلاً گائے خریدی اور ارادہ یہ ہے کہ دوسروں کو شریک کرکے قربانی کریں گے تو یہ درست ہے اور اگر خریدتے وقت پوری گائے اپنے ہی لئے خرید لی، پھر بعد میں دوسروں کو شریک کرنے کا ارادہ کرلیا تو یہ بھی جائز ہے، البتہ بہتر یہی ہے کہ ایسی صورت میں اپنے پہلے ارادے کے مطابق پورا جانور اپنی ہی طرف سے قربانی کرے لیکن دوسروں کو شریک کرنا ہی چاہے تو ایسے خوشحال آدمی کو شریک کرے جس پر قربانی واجب ہو اگر کسی ایسے شخص کو شریک کرلیا جس پر قربانی واجب نہیں ہے تو بھی درست ہے۔

○ جن لوگوں کے بھی حصے رکھے جائیں، ان کے کہنے سے رکھے جائیں، یہ نہیں کہ قربانی کے حصہ دار تجویز کرکے قربانی تو پہلے کرلی جائے اور حصہ داروں کی مرضی و اجازت بعد میں حاصل کی جائے تو ایسی صورت میں قربانی صحیح نہ ہو گی۔

○ نر اور مادہ دونوں کی قربانی جائز ہے، اس میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں

○ بانجھ بکری کی قربانی جائز ہے، خصی جانوروں کی قربانی جائز بلکہ بہتر ہے۔

○ خُنثیٰ (جو نہ نر ہو نہ مادہ) جانور کی قربانی جائز نہیں۔

○ گائے کا ایک تھن نہ ہو یا خشک ہوگیا ہو کہ دودھ نہ آتا ہو تو اس کی قربانی درست ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم پاکستان ص: ۴۶)

جانور سے متعلق چند ضروری مسائل

★ ایک خوشحال آدمی نے جس پر قربانی واجب تھی، ایک جانور قربانی کے لئے خریدا، خریدنے کے بعد اس میں کوئی عیب ایسا پیدا ہوگیا جس کی وجہ سے اس کی قربانی درست نہ رہی ہو تو ضروری ہے کہ وہ شخص دوسرا جانور خرید کر قربانی کرے، ہاں اگر کسی ایسے نادار شخص کے ساتھ ایسا واقعہ ہوا ہو جس پر قربانی واجب نہ تھی تو اس کیلئے عیب دار جانور کی قربانی کرلینا جائز ہے۔

★ صاحبِ نصاب پر قربانی اپنی ہی جانب سے واجب ہے، بیوی یا شوہر یا اولاد کی طرف سے واجب نہیں۔

★ واجب قربانی کے لئے ایک قربانی کے عوض چند بکرے ذبح کرے تو ایک بکرے سے واجب ادا ہو جائے گا اور بقیہ بکروں کی قربانی نفل شمار ہوگی۔ لیکن بڑے جانور کے ساتویں حصہ کے بجائے پورے جانور کی قربانی کرے گا تو پورے جانور سے واجب قربانی ادا ہوگی۔

★ جس پر قربانی واجب ہے اس کو تو کرنا ہی ہے، جن پر واجب نہیں ہے ان کو بھی اگر غیر معمولی زحمت نہ ہو تو ضرور کرنی چاہیئے، البتہ دوسروں سے قرض لے کر قربانی کرنا مناسب نہیں۔

★ کسی شخص پر قربانی شرعاً واجب نہیں ہے لیکن اگر اس نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا تو اب اس کی قربانی واجب ہوگئی۔

★ ایک شخص پر قربانی واجب تھی لیکن قربانی کے تینوں دن گذر گئے اور

وہ کسی وجہ سے (خواہ جانور گم ہی کیوں نہ ہو جائے) قربانی نہ کرسکا، اگر اس نے بکری وغیرہ خرید لی تھی تب تو اس بکری کو زندہ خیرات کردے اور اگر نہ خریدی ہو (یا جانور گم ہو گیا ہو) تو اس کی قیمت بھر رقم خیرات کردے۔

★ جس شخص پر قربانی واجب تھی اگر اس نے قربانی کا جانور خرید لیا، پھر وہ گم ہو گیا یا چوری ہو گیا یا مَر گیا تو واجب ہے کہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے اگر دوسری قربانی یا دوسرے جانور کی خریدی کے بعد پہلا جانور مِل جائے تو بہتر یہ ہے کہ اس کی بھی قربانی کردے لیکن اس کی قربانی اس پر واجب نہیں، اسلئے کہ مالدار شخص پر ایک ہی قربانی واجب ہوتی ہے۔ البتہ اگر یہ شخص غریب ہے جس پر پہلے سے قربانی واجب نہ تھی، نفلی طور پر اس نے قربانی کے جانور خرید لیا پھر وہ مَر گیا یا گم ہو گیا تو اس کے ذمے دوسری قربانی واجب نہیں، ہاں اگر گمشدہ جانور قربانی کے دِنوں میں مِل جائے تو اس کی قربانی واجب ہے اور اگر ایامِ قربانی کے بعد مِلے تو اس جانور یا اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔

★ ایک صورت یہ بھی ہے کہ غریب شخص (یعنی جس پر قربانی واجب نہیں ہے) قربانی کا جانور خریدا اور وہ گم ہو گیا، پھر اس نے دوسرا جانور خریدا پھر ایامِ قربانی ہی میں پہلا جانور بھی مِل گیا تو دونوں جانوروں کی قربانی واجب ہے۔ اس لئے کہ اس پر قربانی واجب نہیں تھی، ایک نفلی عمل کو اس نے اپنی نیت سے واجب بنالیا تھا۔ نیت پر عمل کرنے سے جو شرعی عذر تھا وہ بھی جاتا رہا۔ اسی لئے بہ اعتبار نیت اور رفعِ عذر دونوں جانوروں کی قربانی ضروری ہو گئی۔

★ خاص قربانی کے ایام میں قیمت کی ادائیگی کافی نہیں بلکہ وہ قربانی چھوڑنے کا گنہگار ہوگا، اس لئے کہ قربانی ایک مستقل عبادت ہے اور اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کا تعامل (برابر عمل) رہا ہے، جس طرح نماز پڑھنے سے روزہ اور روزہ رکھنے سے نماز ادا نہیں ہوتی، زکوٰۃ ادا کرنے سے حج ادا نہیں ہوتا، اسی طرح صدقہ وخیرات کرنے سے قربانی ادا نہیں ہوسکتی۔

★ اگر قربانی کے دن گذر گئے، ناواقفیت یا غفلت یا کسی عذر سے قربانی نہیں کرسکا تو پہلے جیسا عرض کیا گیا کہ قربانی کی قیمت فقراء ومساکین میں صدقہ کرنا واجب ہے۔

★ اگر غریب (جس پر قربانی واجب نہیں ہے) ایام قربانی میں قربانی کی نیت سے کوئی جانور خریدے تو وہ قربانی کے لئے متعین ہوجاتا ہے۔ نہ فروخت کرسکتا ہے نہ بدل سکتا ہے، لیکن اگر ایامِ قربانی میں نہیں خریدا بلکہ پہلے خریدا یا پہلے ہی سے کسی جانور کے متعلق خیال ہے کہ اسے قربانی میں ذبح کرنا ہے تو امیر ہو یا غریب دونوں کو اس کا اختیار ہے کہ وہ اس کو بدل دے یا فروخت کردے، غریب کے لئے بھی ایامِ قربانی سے پہلے کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

مُتوفّٰی کی طرف سے قربانی

خدا نے جس شخص کو مال ودولت سے نوازا ہے وہ صرف واجب قربانی ہی پر کیوں اکتفا کرے، بلکہ قربانی کا بے حد وحساب اَجر وانعام پانے کیلئے اپنے

بزرگوں یعنی وفات شدہ ماں، باپ، دادا، دادی اور دوسرے رشتہ داروں کی طرف سے بھی قربانی کرے تو بہتر ہے اور اپنے محسنِ اعظم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی بدولت ہدایت وایمان کی دولت نصیب ہوئی ہے، کی طرف سے قربانی تو مومن کی بہت بڑی سعادت ہے، اسی طرح ازواجِ مطہرات رضؓ یعنی اپنی روحانی ماؤں کی طرف سے قربانی کرنا بھی انتہائی خوش نصیبی ہے۔ بہت سے لوگ اپنی واجب قربانی چھوڑ کر متوفی یا کسی زندہ عزیز واقارب کی طرف سے قربانی کرتے ہیں، یہ ٹھیک نہیں ہے، ترکِ واجب کا اس پر گناہ لازم آئے گا اپنی واجب قربانی کی ادائیگی کے بعد بقدر حوصلہ وہمت اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

ایامِ قربانی: قربانی کی تاریخ ۱۰، ۱۱، اور ۱۲، ذی الحجہ ہے، مگر پہلے دن قربانی کرنا افضل ہے، پھر دوسرے اور تیسرے دِن۔

- غروبِ آفتاب سے پہلے قربانی ہوسکتی ہے، رات کو قربانی جائز ہے لیکن پسندیدہ اور بہتر نہیں۔
- جن شہروں اور بستیوں میں نمازِ عید ہوتی ہے، وہاں نماز سے پہلے قربانی جائز نہیں، اگر کسی نے نماز سے پہلے قربانی کردی تو کافی نہ ہوگا، دوبارہ قربانی کرنا ہوگی۔ جن گاؤں میں نمازِ عید نہ ہوتی ہو وہاں دسویں تاریخ کی صبح صادق کے بعد ہی سے قربانی کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی عذر کی وجہ سے دسویں تاریخ کو نمازِ عید نہ ہوسکی تو اسی دن نمازِ عید کا وقت گذر جانے کے بعد قربانی کی جاسکتی ہے۔

آدابِ قربانی:

○ قربانی کے جانور کو چند روز سے پالنا افضل ہے تاکہ اس سے اُنس و محبّت پیدا ہو۔ اس کے بعد ذبح کرنا بڑے ثواب کا ذریعہ ہے۔

○ قربانی کے جَانور کا دُودھ نکالنا یا اس کے بال کاٹنا جائز نہیں۔ اگر کسی نے ایسا کرلیا تو دودھ اور بال کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے، قربانی کے بعد ان چیزوں سے استِفادہ کر سکتے ہیں۔

○ قربانی سے پہلے چھُری کو خوب تیز کرے اور ایک جانور کو دوسرے جانور کے سَامنے ذبح نہ کرے۔

○ ذبح کے بعد کھال اتارنے اور گوشت کے ٹکڑے کرنے میں جلدی نہ کرے جب تک کہ جانور پوری طرح ٹھنڈا نہ ہو جائے۔

○ قربَانی کے جَانور کے اگر ذبح سے پہلے بچہ پیدا ہو گیا ہو یا ذبح کے وقت اس کے پیٹ سے زندہ بچہ نکل آئے تو اس کو بھی ذبح کر دینا چاہیئے۔

○ قربانی کے جانور کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا افضل ہے (گویا یہ ایک تحفہ ہے اور تحفہ اپنے ہی ہاتھ سے دینا ادب ہے، اس میں دراصل اُس کا اعزاز و اکرام ہے جس کو تحفہ دیا جارہا ہے) اور اگر ذبح نہ کرسکتا ہو تو اپنے سَامنے ذبح کرائے اور خود دیکھتا رہے تو بھی بہتر ہے۔

○ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضؓ سے فرمایا! اے فاطمہ رضؓ!

اپنی قربانی کے پاس حَاضر رہو، کیوں کہ قربانی کے (خون کے) ہر ایک

قطرہ کے بدلے میں تمہارے اگلے گناہ معاف ہوجائیں گے"۔ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا یہ خدا کی نوازش صرف ہم اہلِ بیت ہی کے لئے خاص ہے، یا ہر ایک کیلئے ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ (خاص نہیں ہے) بلکہ ہمارے لئے اور ہر ایک مسلمان کیلئے ہے۔ (طبرانی)

لہذا ایسی عنایت خداوندی کے وقت حاضر رہنا بہت بہتر ہے جس سے انعامِ خداوندی کی قدردانی سمجھی جائے گی۔

قربانی کی اس حقیقت سے یہ بات بھی معلوم ہوجاتی ہے کہ اپنی قربانی دوسری جگہ کرانے کے بجائے بہتر یہ ہے کہ اپنے ہی مقام پر اپنے ہاتھ سے یا کم از کم اپنی نظر کے سامنے کرائے۔

طریقِ قربانی: ذبح کا طریقہ یہ ہے کہ جانور کو بائیں پہلو قبلہ رُو لٹائے اور تیز چھری کو دائیں ہاتھ میں لے کر جانور کے سر کو بائیں ہاتھ سے تھام کر اس پر قدم رکھے اور پہلے یہ دُعا پڑھے:

دُعائے قربانی: اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَکْبَرُ۔

اس کے بعد ذبح کرے اور ذبح کے بعد یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِكَ مُحَمَّدٍ وَّ خَلِیْلِكَ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔

○ اگر دوسرے کی طرف سے یا چند آدمیوں کی طرف سے ذبح کر رہا ہو تو مِنّیِ کہنے کی بجائے مِنْ کہہ کر ان کا اور ان کے باپ کا نام لینا چاہیے جن کی طرف سے قربانی ہو۔

○ واضح ہو کہ کوئی آدمی اگر صرف بسم اللہ اللہ اکبر کہنے پر اکتفا کرلے اور دل ہی دل میں قربانی کی نیت کر کے ذبح کر دے تو کافی ہے، واجب ادا ہو جائے گا۔

قربانی کا گوشت:

○ بہتر یہ ہے کہ قربانی کا گوشت ایک تہائی غربا و مساکین پر صدقہ کرے، ایک تہائی اپنے عزیزوں اور دوستوں کو دے اور ایک تہائی اپنے اہل وعیال کیلئے رکھ لے۔

○ جس شخص کا کنبہ بڑا ہو یا اور کوئی ضرورت ہو تو تمام گوشت خود خرچ کر سکتا ہے، البتہ فروخت کرنا یا قصاب کو مزدوری میں دینا منع ہے۔

○ کئی حصہ دار ہوں تو قربانی کا گوشت آپس میں وزن سے تقسیم کیا جائے اندازے سے تقسیم کرنا جائز نہیں۔ اگر ہر ایک کے حصہ میں سرے یا پائے کا کچھ کچھ حصہ ڈال دیا جائے تو باہمی رضامندی کے بعد اندازے سے تقسیم کیا جا سکتا ہے ——— (عالمگیری ۵/۳۰۶، بیروت)

○ قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دینا جائز ہے۔

○ اپنی موت سے پہلے اگر کسی نے اپنی طرف سے قربانی کرنے کی کسی کو وصیت کی تو اس قربانی کے تمام گوشت کو صدقہ کرنا ضروری ہے۔

○ اگر وصیت نہیں کی تھی بلکہ زندہ شخص نے اپنی مرضی سے میت کے ایصالِ ثواب کیلئے قربانی کی تو اپنی مرضی کے مطابق اس کا گوشت استعمال کر سکتا ہے۔

چرمِ قربانی کا مصرف

○ چرمِ قربانی جب تک اپنی اصل صورت میں ہو اس میں تین باتوں کی گنجائش ہے۔ اول یہ کہ خود اپنی ذات کیلئے استعمال کرے مثلاً اس کی چھلنی یا مشک یا ڈول اور جانماز وغیرہ بنالے، دوسرے یہ کہ اپنے کسی غنی دوست کو ہبہ کردے۔ تیسرے یہ کہ صدقہ کردے۔

○ چرمِ قربانی کو فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت کو زکوٰۃ ہی کے مصرف میں صرف کرنا ضروری ہے، نہ خود کے لئے استعمال کرے اور نہ کسی مالدار آدمی کو دے۔ بلکہ چرمِ قربانی کے فروخت کرنے کے وقت بھی نیت صدقہ کی ہی ہونی چاہیئے۔ اگر فروخت کرتے وقت بھی اپنے ذاتی استعمال کی نیت تھی تو گنہگار ہوگا۔

○ چرمِ قربانی یا اس کی قیمت کسی معاوضہ میں دینا مثلاً امام و مؤذن یا مدرس کو اس کی امامت، اذان اور تدریس کے سبب دینا درست نہیں ہے، اسی طرح مسجد کی تعمیر و مرمّت یا اس کی دیگر ضروریات کیلئے چرمِ قربانی دینا یا لینا جائز نہیں۔ اس کی رقم سے ہسپتال چلانا جہاں مشترکہ طور پر امیر غریب سب استفادہ کرتے ہیں، جائز نہیں، البتہ غریب یا محتاج کو اس کے علاج یا دوا کیلئے مالک بناتے ہوئے دے سکتے ہیں۔

کسی غریب کو مالک بنائے بغیر از خود کسی کی تجہیز و تکفین میں لگانا یا ایسی کسی انجمن کو دینا بھی صحیح نہیں (انجمن اگر کسی غریب کو مالک بنادے

اور وہ اپنی طرف سے غریب کی تجہیز وتکفین کیلئے دیدے تو درست ہے)

○ چرمِ قربانی یا اس کی رقم کو ایسے دینی مدارس میں دینا جہاں "دارالاقامہ" (بورڈنگ) قائم ہو، نادار اور غریب بچوں کی خوراک وغیرہ کی کفالت ہوتی ہو، دینا بہتر ہے، اس میں دوہرا ثواب ملتا ہے، ایک تو صدقہ کا اور دوسرا اشاعتِ علمِ دین کا۔

آخری بات

ان احکام ومسائل کے بعد ایک اہم اور ضروری بات کی طرف توجہ ضروری ہے۔ وہ یہ کہ اسلام سے پہلے لوگ قربانی کر کے اس کا گوشت بیت اللہ کے سامنے لاکر رکھتے اور اس کا خون بیت اللہ کی دیواروں پر لتھڑتے تھے، قرآن نے بتایا کہ خدا کو تمہارے اس گوشت اور خون کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ کو قربانی کے وہ جذبات پہنچتے ہیں جو ذبح کرتے وقت تمہارے دِلوں میں موجزن ہوتے ہیں یا ہونے چاہئیں۔ قربانی گوشت اور خون کا نام نہیں ہے بلکہ اس حقیقت کا نام ہے کہ ہمارا سب کچھ خدا کے لئے ہے اور اسی کی راہ میں قربان ہونے کیلئے ہے۔

قربانی کرنیوالا صرف جانور کے گلے پر ہی چُھری نہیں پھیرتا بلکہ وہ سَاری ناپسندیدہ خواہشات اور غیر شرعی رسوم ورواج کے گلے پر بھی چُھری پھیر کر ان کو ذبح کر ڈالتا ہے، اس شعور کے بغیر جو قربانی کی جاتی ہے وہ ابراہیم واسمٰعیل علیہما السّلام کی سنت نہیں بلکہ ایک قومی رسم کہلائے گی جس میں گوشت اور پوست

کی فراوانی تو ہوگی لیکن وہ تقویٰ ناپید ہوگا جو قربانی کی روح ہے، ارشادِ باری ہے۔

"اللہ تعالیٰ کو ان جانوروں کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا بلکہ اس کو تمہاری جانب سے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے"۔

گویا خدا کے پاس جو چیز محبوب ہے اور جس کی فی الواقع اس کے یہاں قدر ہے وہ قلب متقی ہے نہ کہ کوئی چوپایہ! ——— چوپایہ کی قربانی تو محض قلب کی ایک اندرونی حالت کا خارجی اظہار ہے، اگر اندر وہ حالت موجود نہ ہو تو یہ خارجی عمل ایسا سائن بورڈ ہے جس کے پیچھے کوئی دکان موجود نہ ہو اور جو فرضی طور پر کسی دیوار سے لٹکا دیا گیا ہو۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم خدا کی بارگاہ میں گوشت اور خون لے کر پہنچتے ہیں یا تقویٰ کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں۔ اگر گوشت اور خون لے کر جائیں تو اس کے متعلق خدا نے پہلے ہی یہ اعلان کر دیا ہے کہ یہ چیزیں خدا تک پہنچنے والی نہیں ہیں، البتہ تقویٰ لے کر جائیں تو اس کے متعلق یہ اعلان ہے کہ وہ ضرور خدا تک پہنچے گا اور یہی تقویٰ کی رُوح شریعت کے دوسرے اعمال میں بھی مطلوب ہے ——— فرمانِ الٰہی ہے:

"اللہ صرف متقیوں کا عمل ہی قبول کرتا ہے"۔

اللہ ہمیں متقیوں میں سے بنائے اور ہماری قربانی، قربانی کا واقعی اور حقیقی رنگ و روپ پیش کرے، اور ہماری قربانیوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ قبول فرمائے ——— آمین۔

○

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ

ایک نظر میں

حضرت ابراہیم علیہ السلام

نام و لقب : نام ابراہیم ہے، ابراہیم کا پہلا جز "اَب" عربی کا ہے جس کے معنی "باپ" ہیں اور "راہیم" کے معنی "لوگوں کے باپ" ہوتے۔ بعض نے لکھا ہے کہ ابراہیم "اَبٌ راحِمٌ (رحم کرنے والا باپ) سے بگڑ کر بنا ہے، اس صورت میں دونوں جزو عربی ہوں گے۔ لقب "خلیل اللہ"

والد کا نام : عَلمِ اسمی "تارخ" اور عَلمِ وصفی "آزر" ہے، آخرالذکر کے معنی "محبّ صنم" کے ہیں، تارخ بت تراش اور بُت پرست دونوں تھے۔

سِلسلۂ نسب : حضرت ابراہیمؑ، حضرت نوحؑ کے لڑکے سامؑ کی دسویں اولاد میں سے ہیں۔

جائے پیدائش اور زمانہ : عراق کے قصبہ "اُر" میں پیدا ہوئے، ان کا زمانہ (۲۰۸۵) قبل مسیح بیان کیا جاتا ہے۔

شادی اور اولاد: آپ کی پہلی بیوی سارہؓ ہیں اور دوسری بیوی ہاجرہؓ، آخر الذکر شاہ مصر کی بیٹی تھیں۔ شاہ نے ہاجرہؓ کو سارہؓ کے سپرد ان کی خدمت گذاری کے لئے کیا تھا، بعد میں سارہؓ کے اشارہ سے ہاجرہؓ حضرت ابراہیمؑ کی زوجیت میں آئیں۔ پہلے حضرت اسمٰعیلؑ ہاجرہؓ سے اور بعد میں حضرت اسحٰقؑ سارہؓ سے پیدا ہوئے۔ اول الذکر کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر (۸۷) سال اور ثانی الذکر کی پیدائش کے وقت (۱۰۰) سال تھی۔

ختنہ: حضرت ابراہیمؑ کی عمر ننانوے سال ہوئی اور حضرت اسمٰعیلؑ کی تیرہ سال تو اللہ تعالیٰ کا حکم آیا کہ ختنہ کرو، تعمیل میں پہلے اپنا ختنہ کیا اس کے بعد اسمٰعیلؑ اور تمام خانہ زادوں اور غلاموں کا ختنہ کرایا، یہی رسمِ ختنہ آج بھی "ملتِ ابراہیمی" کا شعار ہے اور سنتِ ابراہیمی سے مشہور ہے۔

کُل عمر: (۱۷۵) سال۔

دعوتی زندگی کا خلاصہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ساری زندگی خدا پرستی، حق گوئی اور فداکاری کا بہترین نمونہ ہے، قرآن نے انہیں "حنیفاً مسلماً" (سب طرف سے کٹ کر خدا کا ہو جانے والا) سے یاد کیا ہے اور اسلام کو "ملۃ ابراہیم" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی
(اقبالؔ)

نام ولقب: نام اسمٰعیلؑ ہے۔ یہ نام "اسمع" اور "ایل" سے مرکب ہے،

"ایل" اللہ کے مترادف ہے اور عربی کے "اسمع" اور عبرانی کے شماع کے معنی ہیں "سُن"
چونکہ اسمٰعیلؑ کی ولادت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا سُن لی اور ہاجرہؓ
کو فرشتہ سے بشارت ملی، اس لئے ان کا یہ نام رکھا گیا، عبرانی میں اس کا تلفظ "شماع ایل"
ہے۔ اسمٰعیل کے معنی "مطیع اللہ" کے بھی لئے جاتے ہیں ——— حضرت اسمٰعیلؑ
کا لقب "ذبیح اللہ" ہے۔

نام والدین: والد کا نام ابراہیم اور والدہ کا نام ہاجرہ ہے۔

وادی غیر ذی زرع میں قیام: حکمِ خداوندی کے مطابق حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو حالتِ شیر خوارگی
ہی میں ان کی والدہ کے ساتھ مکہ پہنچایا، جسے قرآن نے اس وقت کے حالات سے "وادی
غیر ذی زرع" (غیر آباد اور بن کھیتی کی زمین) سے تعبیر کیا ہے۔ ان دونوں کے لئے
کچھ کھجور اور پانی چھوڑ کر حضرت ابراہیمؑ جانے لگے تو حضرت ہاجرہ نے یہ مومنانہ جملہ
فرمایا: "اگر آپ اللہ کے حکم سے جا رہے ہیں تو وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا"
چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

چشمۂ زمزم: کھانے پینے کا سامان بہت جلد ختم ہو گیا، بھوک اور پیاس
سے اسمٰعیلؑ ایڑیاں رگڑنے لگے، رحمتِ الٰہی جوش میں آئی، اسمٰعیل کے قدموں کے
نیچے سے پانی کا چشمہ بہنے لگا جس میں پیاس اور بھوک دونوں کو دور کرنے کی طاقت تھی
یہی چشمہ "زمزم" سے مشہور ہوا جس کا اب تک غیر معمولی فیضان کرشمۂ قدرت کی
بین نشانی ہے۔

قربانی کی تاریخ: اشارۂ خداوندی کے تحت حضرت ابراہیمؑ نے ۱۳ سالہ

اسمٰعیل کو ذبح کرنا چاہا تو بیٹے نے عزیمت اور سعادتمندی کا ثبوت دیا، فداکاری اور جان نثاری کا یہ جذبہ قربانی کی تاریخ بن گیا۔

متفرق باتیں :-

چشمۂ زمزم کے جاری ہونے کے بعد یہاں بنو جرہم کا قبیلہ آباد ہوا، اس طرح شہرِ مکہ آباد ہوا۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی دو شادیاں اسی قبیلہ میں ہوئیں۔ ۱۲ لڑکے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ (۱۳۶) سال عمر پائی۔ تدفین فلسطین میں ہوئی[1]، جملہ انبیاءِ بنی اسرائیل حضرت اسحٰقؑ کی نسل سے ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق بنو اسمٰعیل سے ہے۔

حضرت ہاجرہ رضؓ

جب ابو الانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ پر عراق کی سرزمین اپنی وسعت کے باوجود ایمان لانے کی وجہ سے تنگ کر دی گئی تو خدا کے حکم سے آپؑ نے اپنی بیوی حضرت سارہؓ کے ساتھ ہجرت فرمائی اور شام کا رُخ کیا، راہ میں مِصر سے گذرنا ہوا۔ مصر میں ان دِنوں سنان بن علوان یا عمرو بن امرئ القیس نامی قبطی بادشاہ تھا جو بڑا ظالم بھی تھا اور عیّاش بھی، راہگیروں کی بیویوں کے ساتھ جبراً دادِ عیش دیتا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ کا یہ مختصر سا ایمانی قافلہ جب مصر سے گذرا تو آپؑ نے

---

[1] راجح قول کے مطابق وہ اور ان کی والدہ بیت اللہ کے قریب حرم میں مدفون ہیں۔

توریہ سے کام لیتے ہوئے حضرت سارہ کا بیوی کی بجائے بہن ہونا ظاہر کیا کہ وہ آپؑ کی ایمانی بہن بھی تھیں مگر بادشاہ کی بدنیتی پھر بھی رنگ لائی اور حضرت سارہ پکڑ لے جائی گئیں، حضرت ابراہیمؑ اور سارہ کی دعاء والحاح کے صدقہ بادشاہ اپنے ارادۂ بد میں کامیاب نہ ہوا اور اسے خیال ہوا کہ یہ لوگ انسان نہیں کچھ اور ہیں ـــــــ چنانچہ شاہِ مصر کچھ اس قدر متاثر ہوا کہ اپنی بیٹی حضرت ہاجرہ کو حضرت ابراہیمؑ کی زوجیت میں دیدیا۔ ۲۰ سال گذرنے کے بعد کہ حضرت ابراہیمؑ کی عمر مبارک ۸۶ سال ہوچکی تھی، حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے دونوں ماں بیٹے کو خانۂ کعبہ کے پاس لا چھوڑا ـــــــ اِن نووارِدین کیلئے چند کھجوریں اور تھوڑا سا پانی ساتھ تھا جس نے جلد ہی ساتھ چھوڑ دیا۔ اب شیرخوار اسمٰعیل پیاسے ہیں اور ماں مضطرب، صحرا ایسا کہ دُور تک ایک قطرۂ آب میسّر نہیں۔ صفا کی پہاڑی پر چڑھیں اور دیکھا پھر اُتریں اور مَروہ پر گئیں، بیچ میں گہرائی تھی جہاں سے حضرت اسماعیل نظر نہ آتے تھے، اس حصّہ میں پہونچتیں تو تیز دوڑتیں۔ آخر ماں کی ممتا نے سات بار دَوڑایا اور چِلّایا یہاں تک کہ نصرتِ خداوندی ظاہر ہوئی اور پائے اسماعیل کی ایڑیوں سے اس چشمۂ حیواں کا ظہور ہوا جو "زمزم" کہلاتا ہے۔

خدا نے اپنی اس صابرہ اور راضیہ بندی کی اس ادا کو پسند کیا اور امتِ مُسلمہ کیلئے اس کی نقل کو حج وغیرہ کا ایک حصہ بنا کر زندہ جاوید کر دیا، پھر خانۂ کعبہ کی تعمیر اور حضرت اسمٰعیل کی قربانی کے واقعہ سے پہلے ہی وصال ہوگیا ـــــــ بہت سا سلام اور ڈھیر سی رحمتیں ہوں آپؓ پر۔!

(ملخص: البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۱/۱۴۹-۱۵۷)

دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد

ہندوستان کے موجودہ حالات میں نہ صرف مسلمانوں کے مذہبی تشخصات بلکہ ان کے عقیدہ وایمان کی حفاظت بھی وقت کی ایک ضرورت بن گئی ہے یہ ضرورت مسلمانوں کے معاشی اور سیاسی حقوق کے تحفظ سے بڑھ کر ہے، دینی مدارس و مکاتب کا قیام اسی لیے عمل میں لایا گیا ہے کہ موجودہ ملحدانہ، مشرکانہ اور اخلاق سوز ماحول میں مسلمانوں کا رشتہ اسلام سے استوار رہے اور مسلمانوں میں ہر عہد میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہوتا رہے جو اسلام کی حفاظت اور صیانت اور دعوت و ارشاد کے لیے وقف رہے اور وہ مسلمانوں کو اپنے دینی اقدار سے مربوط رکھے

انہی دینی درس گاہوں بلکہ دین کی حفاظت گاہوں میں سے ایک جامعہ اسلامیہ دارالعلوم **سبیل السلام** حیدرآباد ہے جس کی بنیاد ۱۳۹۳ھ ۱۹۷۲ء میں رکھی گئی۔ آپ کی اس درس گاہ میں ابتدائی جماعت سے دورۂ حدیث اور تخصص تک تعلیم ہوتی ہے۔ طلبہ کی اچھی خاصی تعداد یہاں مقیم ہے، جس میں اکثر غریب اور نادار ہیں۔ شہر اور اضلاع میں متعدد شاخیں بھی ہیں۔ فی الحال ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ ماہانہ خرچ ہے۔ اس طرح سالانہ مصارف اٹھارہ لاکھ سے متجاوز ہیں، تعمیری خرچ اس کے علاوہ ہے۔

آپ عطیات، زکوٰۃ اور چرم قربانی کے ذریعہ تعاون کر کے فلاح دارین حاصل فرمائیں۔

چیک اور ڈرافٹ کے لیے

DARUL-ULOOM SABEELUSSALAM

A/C C&I. 4, S.B.I. King Kothi Branch
HYDERABAD - INDIA.